اراکین اسمبلی کی تنخواہوں میں اضافہ اور مولانا حسرت موہانی مرحوم

رواں دواں......احمد ندیم قاسمی

وفاقی اسمبلی کے محترم اراکین کی تنخواہوں میں جو حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے، اس کی تفصیل پڑھ کر پاکستان کی 85 فیصد آبادی کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے ہیں۔ جب پہلی بار یہ خبر میری نظر سے گزری تو مجھے رئیس الاحرار، رئیس المتغزلین حضرت مولانا حسرت موہانی مرحوم ومغفور یاد آ گئے جن کے بارے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں انہیں ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے بلایا گیا، وہ تشریف لائے۔ غزلیں پڑھیں اور جب واپس جانے لگے تو طلبہ یونین کے صدر نے ان کی خدمت میں ایک لفافہ پیش کیا جس میں مولانا کی تشریف آوری کے سلسلے میں چند سو کا معاوضہ رکھا تھا۔ مولانا نے لفافہ کھولا اور کرنسی نوٹ نکال کر پوچھا ''کیوں برخوردار! یہ کس سلسلے میں؟'' طالبعلم لیڈر نے عرض کیا کہ یہ آپ کی تشریف آوری کا معاوضہ ہے۔ مولانا مسکرائے۔ نوٹ لفافے میں رکھ کر طالبعلم لیڈر کو واپس کرتے ہوئے فرمایا ''کان پور سے یہاں تک آنے میں میرے پانچ روپے خرچ ہوئے ہیں یہاں سے واپس جاؤں گا تو تب بھی پانچ ہی روپے لگیں گے، اگر مجھے معاوضہ دینا ضروری ہے تو دس روپے کافی ہیں۔ میں اپنی پرانی دانش گاہ میں اپنے عزیز طلبہ کی فرمائش پوری کرنے آیا ہوں۔ ان پر جرمانہ کرنے نہیں آیا۔''

یہ واقعہ سن کر آپ کہیں گے یہ تو ایک درویش شاعر کا معاملہ ہے مگر کاش ہماری پارلیمینٹ کے معزز اراکین ایسے ہی درویش ہوتے۔ آخر وہ پہلے ہی لاکھوں کروڑوں کے مالک ہیں۔ انہیں ہم ایسوں کی طرح تنخواہیں بڑھوانے کی کیا ضرورت تھی۔

مگر مولانا حسرت موہانی کی سی درویشی اختیار کرنے کے لئے تو ہاتھ بھر کا کلیجہ درکار ہوتا ہے۔ مولانا بھی ہمارے معزز اراکین کی طرح گریجوایٹ ہی تھے اور گریجوایٹ بھی علی گڑھ یونیورسٹی کے۔ ابھی بی اے میں زیر تعلیم تھے تو ایک اخبار نکالا اور اس میں اس وقت کے حکمران انگریزوں کے لتے لے ڈالے۔ فوراً ان پر بغاوت کا کیس دائر کر دیا گیا اور انہیں دو سال کی قید بامشقت کی سزا ملی جو انہوں نے یوں گزاری جیسے شملہ یا مری میں دو سال کے لئے سیر سپاٹا کرنے چلے گئے ہیں!

دراصل مولانا صحیح معنوں میں قلندر تھے۔ انہیں مجاہد قلندر قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ سنا ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے جب آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا اور قائداعظمؒ صدارت کر رہے تھے تو مولانا حسرت کی تقریر کچھ لمبی ہو گئی۔ تب قائداعظمؒ نے فرمایا ''پلیز مولانا صاحب ناؤ فنش اٹ اینڈ سٹ ڈاؤن'' اور مولانا نے فرمایا...... ''میں تو اپنے موقف کو پوری طرح ایکسپریس کرنے کے بعد بیٹھوں گا۔'' اور قائداعظمؒ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

ایوب احمد کرمانی میرے ایک عزیز دوست تھے۔ مولانا کے بارے انہوں نے مجھے ایک ایسا واقعہ سنایا تھا جو مولانا کے قلندرانہ مزاج کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔ آزادی سے پہلے تحریک پاکستان کے دن تھے۔ کرمانی صاحب کو اپنی مسلم لیگ کی طرف سے حکم ملا کہ میرٹھ جاؤ اور ہفتہ بھر بعد جب مولانا حسرت وہاں ایک جلسہ عام میں تقریر فرمانے آئیں گے تو ریلوے سٹیشن سے شہر تک ان کے بھرپور جلوس کا بندوبست کرو۔ کرمانی مرحوم بتاتے تھے کہ انہوں نے جلوس کے انتظامات میں پوا ہفتہ لگا دیا۔ مقررہ تاریخ کو وہ جلوس لے کر ریلوے سٹیشن پہنچے۔ گاڑی آئی تو انہوں نے میرٹھ کے دوسرے نوجوان لیگی ورکروں کے ہمراہ ڈبہ ڈبہ چھان مارا مگر مولانا کا کہیں سراغ نہ ملا۔ بے حد مایوسی کے عالم میں انہوں نے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا کہ مولانا شاید کسی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے۔ پھر وہ نہایت اداسی کی حالت میں واپس جا رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ سر راہ مزدور لوگوں کے کھانے پینے کے لئے ایک چھپر کے نیچے جو تنور قائم تھا وہاں مولانا حسرت موہانی فرش پر بیٹھے ایک ہاتھ میں روٹی لئے دوسرے ہاتھ سے نوالہ توڑ کر روٹی کے وسط میں پڑی ہوئی دال اٹھا کر مزے سے بیٹھے کھا رہے تھے۔ کرمانی صاحب نے بتایا کہ حیرت زدہ ہو کر مولانا کے قریب جا کر انہوں نے سلام کیا تو مولانا نے اوپر دیکھا۔ وہ کرمانی کو پہچانتے تھے۔ بولے ''یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو کرمانی؟ تم تو دلّی میں ہوتے ہونا'' کرمانی نے عرض کیا کہ ''مخلوق خدا کا اتنا بڑا ہجوم آپ کے استقبال کے لئے سٹیشن پر آیا تھا اور آپ یہاں بیٹھے دال روٹی کھا رہے ہیں۔'' تب مولانا بولے ''گاڑی پہنچی تو میں نے دیکھا کہ پلیٹ فارم پر بہت بڑا ہجوم جمع ہے۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی بڑا آدمی آنے والا ہے میں چپکے سے ہجوم میں راستہ بناتا ہوا شہر کی طرف روانہ ہوا کہ لیگ کے دفتر میں جا کر اپنی آمد کی اطلاع دوں۔ راستے میں یہ تنور نظر آ گیا۔ دوپہر کا وقت ہے سوچا کھانا کھا لوں۔ پھر اطمینان سے شہر جاؤں گا اور تم کہتے ہو کہ......'' کرمانی اور دوسرے ورکروں نے انہیں وہاں سے اٹھایا۔ لاؤڈ سپیکر پر مولانا کی تشریف آوری کا اعلان کیا۔ پھر یہ ہجوم ایک بہت بڑے جلوس کی صورت میں پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتا اور مولانا پر پھولوں کی بارش برساتا شہر کی طرف روانہ ہوا!

میں نے مولانا حسرت موہانی کو قیام پاکستان سے دو تین برس پہلے لاہور کے وائی ایم سی اے ہال میں تقریر فرماتے دیکھا تھا۔ انہوں نے سیاسی تقریر کی بجائے شاعری کی صنف غزل کے بارے میں ایک مقالہ پڑھا جو بعد میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ آپ نے غزل کے مختلف تیوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ موضوع کے لحاظ سے غزل کو متعدد عنوانات دیئے جا سکتے ہیں مثلاً عاشقانہ غزل، متصوفانہ غزل، ناصحانہ غزل، فاسقانہ غزل وغیرہ وغیرہ جب مولانا مقالہ ارشاد فرما چکے اور سوالات کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک نوجوان نے پوچھا ''قبلہ! آپ بھی تو اتنے بڑے غزل گو ہیں آپ کو تو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے پھر آپ کی غزل کو کیا نام دیا جائے؟'' اور مولانا نے اپنی باریک اور تیز آواز میں جواب دیا ''فاسقانہ غزل'' ہال میں بیٹھے ہوئے بیشتر عقیدت مند اپنے بارے میں اتنی واشگاف سچائی کا اعلان سن کر سناٹے میں آ گئے۔ اتنا بڑا اعتراف مولانا حسرت کا سا قلندر ہی کر سکتا تھا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو صوفیانہ یا عاشقانہ غزل کہنے کا اعلان کر دیتا!

مولانا حسرت موہانی کا انتقال مئی 1951ء میں ہوا اور یہ شاید 1949ء یا 1950ء کا ذکر ہے کہ وہ بیرون ملک سے واپسی پر ایک دن کے لئے

لاہور میں ٹھہرے۔ میاں افتخار الدین کے ہاں آئے مگر میاں صاحب پاکستان میں نہیں تھے۔ ان کی بیگم نے مولانا کی ایک فرمائش کے سلسلے میں مجھے بھی بلا بھیجا۔ مولانا لاہور کے چند نوجوان شعراء سے باتیں کرنا چاہتے تھے۔ میں حاضر ہوا تو مولانا بہت محبت سے ملے۔ میری خوش قسمتی کہ انہیں میرے نام اور کام کا علم تھا۔ میں جتنی دیر وہاں رہا ان کی سیدھی سادی شخصیت کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس بظاہر سادہ سے انسان کے اندر ضمیر کی کتنی بے پناہ قوت موجود ہے۔

میں سوچتا رہا کہ یہ وہی شخص ہے جو شدید گرمیوں کے موسم میں جیل کی کوٹھڑی میں بند رہا اور جب رمضان کا مہینہ آیا تو انہوں نے پورے روزے رکھے۔ کوئی نماز قضا نہ ہونے دی۔ ایک لنگوٹی اور ایک بنیان میں پوری مدت گزار دی۔ دن کے وقت روزے کی حالت میں چکی پر تیس سیر سے چالیس سیر تک آٹا پیستا رہا، جسم پسینہ پسینہ ہوجاتا رہا، ہتھیلیوں پر چھالے پڑ گئے، مگر اُف تک نہ کی اور ہر روز اپنے ساتھی قیدیوں کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ یہ وہی شخص تھا کہ جب 1947ء میں آزادی کا اعلان ہوا تو دوسرے متعدد مسلم لیڈروں کے برعکس بھارت ہی میں رکے رہنے کو ترجیح دی کہ آخر بھارت کے مسلمانوں کے پاس کوئی تو ہو اور یہ وہی جرأت مند رہنما تھا کہ جب لوک سبھا میں بھارت کے آئین پر ووٹنگ ہو رہی تھی تو اس آئین کی مخالفت میں صرف ایک ہاتھ اٹھا اور وہ مولانا حسرت موہانی کا ہاتھ تھا۔ یہ منظر دیکھ کر بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو چھلانگ سی لگا کر اپنی نشست سے اٹھے اور مولانا کے پاس جا کر کہا ''مولانا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آئین کی مخالفت میں تنہا آپ کا ووٹ تو تاریخ کا حصہ بن جائے گا۔'' اور مولانا نے ارشاد فرمایا ''اسی لئے تو مخالفت میں ہاتھ اٹھایا ہے کہ آئین میں بھارت کے مسلمانوں کی حق تلفی کے خلاف ایک آواز تو بلند ہو''

کاش پاکستان کی تاریخ میں کوئی ایک مثال تو ایسی ہوتی جس میں مولانا حسرت موہانی کی سی قوت اور صلابت ہوتی۔

تصحیح

گزشتہ روز 25 نومبر کے اداریتی صفحہ پر ''غربت ایک قومی مسئلہ'' والے کالم میں مرزا اختیار بیگ کا نام غلط شائع ہوگیا ہے، قارئین تصحیح فرمالیں۔

\